سرِ شاخِ یقیں

(حمد و نعت، سلام و منقبت)

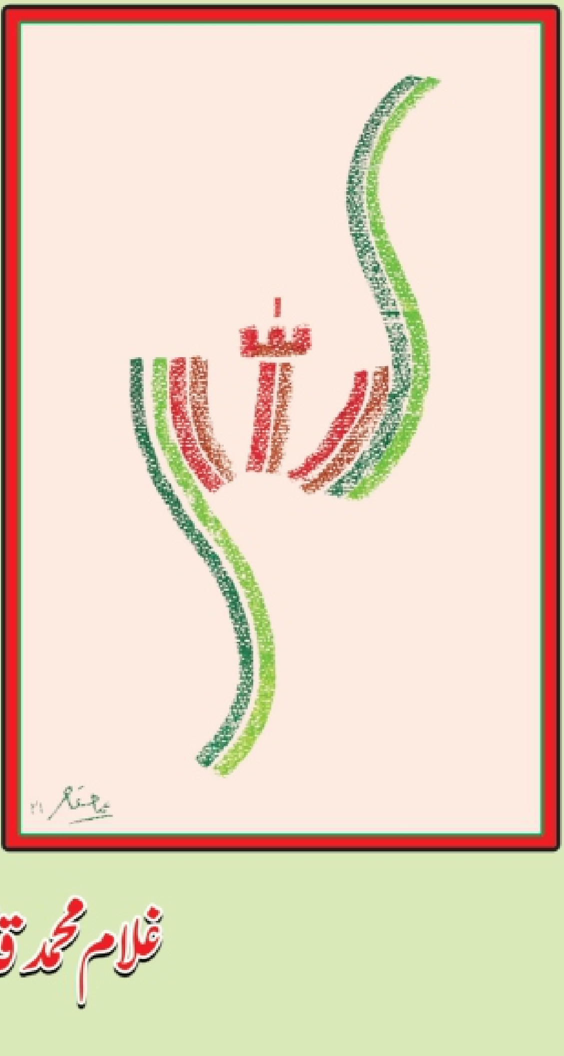

غلام محمد قاصر

سبزے کو نکھارے نام ترا
موسم کو سنوارے نام ترا

☆

آزمائش میں کوئی تجھ کو صدا دیتا ہے
اور تُو آگ کو گلزار بنا دیتا ہے

☆

اِک نیلے خیمے پر ہر شب
لکھتے ہیں ستارے نام ترا

دل کا اک زخم بھی کیا رنگ دکھاتا ہے مجھے
پھول دیکھوں تو مدینہ نظر آتا ہے مجھے

☆

تیری سیرت کو ترے عہد کو سمجھا ہی نہیں
جو کسی دَور کے انسان کی تذلیل کرے

☆

ہاں مرے نام میں شامل مرا پیغام بھی ہے
جس کو ملنا ہو مجھے اُنؐ کے حوالے سے ملے

سرِشاخِ یقیں

(حمد ونعت، سلام ومنقبت)

غلام محمد قاصؔر

جملہ حقوق محفوظ ہیں

کتاب	:	سرِشاخِ یقیں
(کتابی سلسلہ ۳)		(حمد و نعت، سلام و منقبت)
شاعر	:	غلام محمد قاصؔر
سرِورق	:	عماد قاصر
اشاعت	:	۱۴/اگست ۲۰۲۱ء
زیرِ اہتمام	:	پاسبانِ حمد و نعت کراچی
		0336-2085325
		pasbanehamdonaat@gmail.com
		www.facebook.com/pasbanehamdonaat
ناشر	:	رنگِ ادب پبلی کیشنز، کراچی
رابطہ	:	عماد قاصر imadkasir@gmail.com +923009352889
		عدنان قاصر adnankasir@hotmail.com +923459289358
پرنٹر	:	دانش پریس، کراچی
تعداد	:	500
صفحات	:	96
ہدیہ	:	=/500روپے

ISBN # 978-969-745-034-3

فروغِ حمد و نعت کا علم بردار

ترتیب

✍ جب ترا نام لیا	عماد قاصر، عدنان قاصر، نیلم قاصر	7
✍ سرِشاخِ یقیں	افتخار عارف	9
✍ یقین و مودّت کی تصویریں	منظر نقوی	10
✍ غلام محمد قاصرؔ کی تقدیسی شاعری	صبیح رحمانی	12

حمد

✸ حمد	19
✸ تیری سرکار سے صحراؤں کو پانی بھی ملے	20
✸ چاند، شبنم، شفق، آبِ جُو	21
✸ آزمائش میں کوئی	22
✸ سبزے کو نکھارے نام ترا	23

نعت

★ آنکھیں ہوں تو شیشے کی دیوار مدینہ ہے	25
★ ظُلم و ظُلمت کے زمانوں پہ زوال آیا تھا	26
★ جو ہواؤں میں ترے نام کو قندیل کرے	28
★ ظُلمتِ وادیِ جاں میں بھی اجالے سے ملے	30
★ سائل کے سامنے شہِ کون و مکاں بھی ہیں	31

★ تصور آسماں پر سامنے روضے کی جالی ہے 32

★ دلوں کو پاک ضمیروں کو صاف کرتے ہیں 33

★ منظر جو ملے نورانی سے 34

★ جہاں پیوندِ ظلمت بن گئے روزن مکانوں کے 36

★ مَیں خود اپنی تاریکی میں رستہ بھول گیا 38

★ کہتی ہے آہ تھام کر خیمۂ عرش کی طناب 40

★ تاریکیِ جاں نے صدیوں تک آئینۂ دل کو دھندلایا 42

★ دل کا اک زخم بھی کیا رنگ دکھاتا ہے مجھے 43

★ تاروں کی روشنی ہو کہ خوشبو ہو پھول کی 45

★ کیوں نہ آباد ہو ہر دل میں محبت انؐ کی 46

★ نظر سے کتنے جہان گزرے ٹھہر گیا ہے مگر مدینہ 47

★ بہاروں کا ہم اپنے سر پہ کب احسان لیتے ہیں 48

★ تو مرکزِ زمیں ہے مدارِ یقیں ہے تُو 49

★ سورج سے بات کی کہ ستاروں سے بات کی 51

★ فضا میں چادرِ تطہیر تان دیتے ہیں 53

★ دن کو دن رات کو جو رات نہیں لکھ سکتا 55

★ نعتیہ نظم 56

منقبت

✦ منقبت 59

✦ مہندی 61

✦ علی اکبرؑ 63

✦ علی اصغرؑ 64

سلام

✦ تضاد 67

✦ کچھ ایسی بات محرّم کا چاند کہتا ہے 68

✦ جو پیاس وسعت میں بے کراں ہے سلام اس پر 69

✦ ظلمتوں میں روشنی کا استعارہ کربلا 71

✦ پیاس کے صحرا میں جس نے کاشت کی فصل نجات 73

✦ نہ وسوسے نہ اندھیرے رگوں میں پلتے ہیں 74

✦ وفا کا مکمّل جہاں اور وہ 76

✦ پوچھتا ہے ہر سلام ایسے نمازی کا پتا 78

✦ جُھک گیا ظلم کا سر بارِ پشیمانی سے 79

✦ یوں تو اک خواب تھا جو ریت پہ تحریر ہوا 81

✦ خاک نے چومے زخم تو آگ نے بڑھ کے طوافِ خیام کیا 83

✦ سچ کے خیمے تک پہنچا جو ظلم کا پہلا تیر 84

✦ کتنی دہشت شبِ سیاہ میں تھی 86

✦ ظلم کے بہتے دھارے کو کیسا عنوان ملا 88

✦ کربلا والوں سے پوچھو غم شبِ عاشور کا 90

✦ دُعا 92

✦ فریبِ نظر 94

ہاں مرے نام میں شامل مرا پیغام بھی ہے 95

◆◆◆

جب ترا نام لیا فکر ڈھلی لفظوں میں
پھر اسی نام سے لفظوں کو معانی بھی ملے

جب ترا نام لیا

والدِ گرامی مرحوم غلام محمد قاصؔر کا تمام تقدیسی کلام (حمد ونعت،سلام ومنقبت) پیشِ خدمت ہے۔قاصؔر صاحب اپنی زندگی میں ایسا مجموعہ ترتیب دینا چاہتے تھے کہ جس میں صرف مذہبی عقیدتوں پر مشتمل کلام شامل ہو لیکن اُنھیں مہلت نہیں مِلی۔ قاصؔر صاحب کا تمام شعری کلام بہ عنوان ''اِک شعر ابھی تک رہتا ہے (کلیاتِ قاصؔر)'' 2009ء اور 2018ء میں شائع ہو کر قارئین سے دادو تحسین حاصل کر چکا ہے۔ اِس کے علاوہ منتخب کلامِ قاصؔر بھی نیشنل بُک فاؤنڈیشن اسلام آباد کے زیرِ اہتمام شائع ہو چکا ہے تاہم اِن کے قارئین کی خواہش رہی ہے کہ اِن کے مذہبی کلام کو یکجا کر کے ایک الگ مجموعہ شائع ہونا چاہیے۔ہمیں بے حد مسرت ہے کہ زیرِ نظر مجموعے کی اشاعت سے قاصؔر صاحب اور اُن کے قارئین کی اِس دیرینہ خواہش کی تکمیل ہو رہی ہے۔

اِس موقع پر ہم جناب افتخار عارف، جناب منظر نقوی اور جناب صبیح رحمانی کے شکر گزار ہیں جنھوں نے مجموعے کے لیے اپنے تاثرات پیش کیے۔ جناب شاعر علی شاعؔر (رنگ ادب پبلی کیشنز کراچی) نے جس محبت وعقیدت سے یہ مجموعہ شائع کیا اِس کا اعتراف کیے بغیر یہ تحریر نامکمل رہتی۔ اِس سے پیشتر وہ کلیاتِ قاصؔر بھی شاندار انداز میں شائع کر چکے ہیں۔جس سے اُن کی قاصؔر صاحب سے عقیدت کا اندازہ ہوتا ہے۔

ہم اپنی اور والدہ محترمہ سلمیٰ قاصر کی طرف سے اِن تمام احباب کے ممنون ہیں جو اِس مجموعے کی اشاعت کے مختلف مراحل میں ہمارے معاون رہے ہیں۔ قارئینِ قاصؔر بھی خصوصی تحسین کے حق دار ہیں کہ جن کی قاصؔر صاحب سے عقیدت و محبت ہم تک ہمہ وقت پہنچتی رہتی ہے۔

ہماری اُمید اور دُعا ہے کہ یہ ہدیہ بارگاہِ خداوندی، سرکارِ دو عالمؐ اور اہلِ بیتِ اطہارؑ و شہدائے کربلاؑ کی بارگاہ میں قبولیت کا شرف حاصل کرے۔ (آمین)

عماد قاصر، عدنان قاصر، نیلم قاصر

۲۳/ مارچ ۲۰۲۱ء۔ اسلام آباد

◆◆◆

سرِشاخِ یقیں

افتخار عارف (اسلام آباد)

غلام محمد قاصرؔ کا شمار اُردو کے ممتاز اور مکمل شاعروں میں ہوتا ہے اُن کی شعری کائنات میں بے مثال غزلیں بھی ہیں اور مسحور کن نظمیں بھی......اور ایک قابلِ قدر سرمایہ اِس کلام پر مشتمل ہے جو اُن کی ایمانیات کی ترجمانی کرتا ہے۔ نظریہ اور عقیدہ بھی ہماری زندگی کی اہم ترجیحات میں شامل ہوتا ہے۔ قاصرؔ کی حمدیں، نعتیں، سلام اور مناقب بھی اُن کی غزلوں کی طرح جذبے اور احساس کی شدت اور وفور سے مالا مال ہیں۔ اخلاص اور شیفتگی اُن کے لفظ لفظ میں جلوہ ریز نظر آتی ہے۔ محمدؐ و آلِ محمدؑ کی محبت اور عقیدت دل و دماغ کی پوری سپردگی کے ساتھ ہو تو پڑھنے والا اُن نورانی جہانوں میں کھو جاتا ہے جو صرف اور صرف اللہ مصطفیٰ اور مرتضیٰ اور مجتبیٰ بندوں کی خصوصی توجہ کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ مجھے یقین ہے کہ پیشِ نظر کتاب غلام محمد قاصرؔ کی کتابوں ''تسلسل''، ''آٹھواں آسماں بھی نیلا ہے''، ''دریائے گماں'' اور ''اِک شعر ابھی تک رہتا ہے (کلیاتِ قاصرؔ)'' کی طرح مقبول ہوگی۔ میں ''سرِ شاخِ یقیں'' کی اشاعت پر خانوادہ قاصرؔ کو مبارک باد پیش کرتا ہوں اور یقین کرتا ہوں کہ آلِ یاسین (علیہ السلام) کی بارگاہ میں بھی مقبول ٹھہرے گی۔

◆◆◆

یقین و مودّت کی تصویریں

منظر نقوی (اسلام آباد)

غلام محمد قاصؔر اُردو شاعری اور بالخصوص اُردو غزل کا ایک معتبر نام جو آسمانِ شاعری پر ایک چمکتا، دمکتا ستارہ ہے جس کی ضو ستاروں کے جھرمٹ میں اپنی منفرد پہچان رکھتی ہے۔ قاصؔر کی اُردو غزل نے بلاشبہ اُردو غزل کی روایت میں خوب صورت حصہ ڈالا ہے اس کے اشعار دل و دماغ کو تازگی بخشتے ہیں اور ایک نئی دنیا کی سیر بھی کراتے ہیں۔

''سرِ شاخِ یقیں'' غلام محمد قاصؔر کے حمدیہ، نعتیہ اور سلام و منقبت کی شاعری پر مشتمل ہے۔ اگر چہ یہ کلام قاصؔر کے شعری مجموعوں اور کلیات میں موجود ہے مگر اسے الگ کر کے شائع کیا جا رہا ہے تا کہ ایک کتاب میں شاعر کی دِلی کیفیات اور خالص احساسات و محسوسات کی تصویریں نمایاں نظر آئیں۔ قاصؔر نے شاعری کی ان اصناف کا خالص شعری پیرائے میں اظہار کیا ہے جو فن پر دسترس کے ساتھ یقین کی مختلف تصویریں بھی بناتا ہے۔ بلاشبہ یہ یقین خاص اذن سے عطا ہوتا ہے۔ اس کے لیے خالص مودّت اور سچے جذبوں کا دل کی گہرائیوں میں تسلیم و رضا کی خوشبو کا ہونا ہے۔ دنیاوی سود و زیاں سے ماورا سچ کہنا، سچ لکھنا اور ہر حال میں سچ پر قائم رہنا بھی ہے:

دن کو دن رات کو جو رات نہیں لکھ سکتا
ایسا فنکار کبھی نعت نہیں لکھ سکتا

یقین و گمان دو ایسے رویے ہیں جو انسان کی جبلت میں رکھ دیے گئے ہیں۔ جہاں یہ تضاد دراصل سوچ اور فکر کے دھاروں کو مربوط بناتے ہیں وہاں سچ اور جھوٹ کی آمیزش کو جدا جدا بھی دِکھاتے ہیں۔ عقیدت و مودّت کا اظہار یقین کی حالت میں ہی ہوتا ہے۔ جب تک اپنے اندر کی

تشکیک سے اُبھرنے والے سوالوں کا جواب نہ مِل جائے جذبوں اور خیالوں میں واضح پن نہیں آتا اور شعر کہنا تو اور بھی مشکل ہو جاتا ہے:

نہ وسوسے نہ اندھیرے رَگوں میں پلتے ہیں
کہ میرے دل میں بہتّر چراغ جلتے ہیں

''سرِ شاخِ یقیں'' کا مطالعہ دقیق علمی نقطوں کو جاننے والے افراد کے ساتھ ساتھ عام قاری کو بھی ایک نئے جہان میں لے جانے کا پورا اہتمام رکھتا ہے۔ جہاں افکار و نظریات کی مجسم عشق صورتیں نمایاں نظر آئیں گی اور یہ صورتیں تاریخی بھی ہیں اساطیری بھی اور مودّت کے جذبوں سے لبریز بھی۔

قاصؔر نے اپنے ایک سلام ''تضاد'' میں جہاں رثائی شاعری کی روایت میں خوب صورت اضافہ کیا وہاں اسے عصری حوالوں سے کمال خوب صورتی سے جوڑا ہے۔ اس روایت میں اِکّا دُکّا اشعار تو مِل جاتے ہیں مگر پورے ایک سلام کی صورت منفرد اور دلنشین ہے:

یزید نقشۂ جور و جفا بناتا ہے
حسینؑ اس میں خطِ کربلا بناتا ہے
یزید آج بھی بنتے ہیں لوگ کوشش سے
حسینؑ خود نہیں بنتا خدا بناتا ہے

''سرِشاخِ یقیں'' کی شاعری عقیدت، مودّت اور شعری محاسن کا عمدہ مجموعہ ہے۔ میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ غلام محمد قاصؔر کے درجات بلند فرمائے اور جوارِ محمدؐ و آلِ محمدؐ میں جگہ عطا فرمائے۔ آمین

◆◆◆

غلام محمد قاصؔر کی تقدیسی شاعری

صبیح رحمانی (کراچی)

ہمارے ہاں ابھی کچھ عرصہ پہلے تک یہ تأثر عام تھا اور خاصا محکم بھی کہ تقدیسی شاعری سے دل چسپی رکھنے اور اسے خصوصیت سے اظہار کا وسیلہ بنانے والے شعرا ادب کے مرکزی دھارے سے الگ ہوتے ہیں۔ اس تأثر کی بنیاد میں مختلف قیاسات پائے جاتے ہیں۔ وہ مبنی بر حقیقت تھے کہ نہیں، یہ ایک الگ موضوع ہے۔ بہر حال ان میں سے ایک اہم قیاس یا خیال یہ تھا کہ تقدیسی شاعری محض جذبے اور عقیدت کا معاملہ ہے۔ حالاں کہ ساٹھ پینسٹھ برس پہلے محمد حسن عسکری جیسے بلند پایہ مفکر و نقاد نے اس مسئلے پر جم کر اظہار کیا تھا اور اس تأثر کو پوری طرح رد کر دیا تھا۔ اس کے باوجود عمومی سطح پر یہ غلط فہمی برقرار رہی تھی۔ ممکن ہے اب بھی کچھ لوگ کسی حد تک اس گم راہی کا شکار ہوں، لیکن ایک بڑے حلقے میں آج اس غلط فہمی کو ہم با آسانی رد ہوتے ہوئے دیکھ سکتے ہیں۔ شکر کا مقام یہ ہے کہ ہمارے ادب کے مرکزی دھارے میں آج صورتِ حال بالکل بدل چکی ہے، اور اب کتنے ہی نمائندہ تخلیق کار اور خوش فکر شاعر ایسے ہیں جو ادب کی تقدیسی اصناف میں بھی اپنے جوہر کا اظہار التزاماً کرتے ہیں۔ ان کی تقدیسی شاعری بھی اسی درجے کا تخلیقی تجربہ ہے جسے ہم اُن کے ہاں دیگر اصنافِ سخن میں کارفرما دیکھتے ہیں۔

غلام محمد قاصؔر جدید اُردو شعری منظر نامے کا ایک اہم نام ہے۔ ایک ایسا نام جس نے اپنے خوش فکر، خوش رنگ اور خوش آہنگ کلام سے عصری ادبی تناظر میں نہ صرف اپنی جگہ بنائی، بلکہ ایک قابلِ قدر مقام بھی بہ خوبی حاصل کیا۔ غلام محمد قاصؔر کے انتقال کو دو دہائیوں سے زائد عرصہ گزر چکا، لیکن ہماری ادبی دنیا میں آج بھی ان کا شعری حوالہ ملتا ہے اور ان کی ادبی شناخت باقی ہے جو یقیناً

بڑی خوش کن بات ہے۔ قاصؔر کی شناخت بنیادی طور پر ایک اچھے غزل گو کی حیثیت سے ہے، اور بجا طور پر ہے۔ تاہم اُنھوں نے دوسری اصنافِ سخن میں بھی جو طبع آزمائی کی ہے، اہلِ نظر بلاشبہ اس کی بھی داد دیتے ہیں۔ یہ درست ہے کہ کوئی ایک صنف کسی شاعر کے تخلیقی جوہر کے اظہار کا سب سے اہم اور مؤثر ذریعہ ہوتی ہے۔ تاہم یہ بات بھی اُصولی طور پر طے ہے کہ ایک اعلیٰ تخلیقی جوہر کا مالک فن کار جس صنف کو بھی اظہار کا ذریعہ بناتا ہے، اس میں اپنے فن اور اُسلوب کی ایک سطح قائم رکھتا ہے۔ اس لیے کہ یہ سطح کسی خاص صنف سے مخصوص نہیں ہوتی، بلکہ بنیادی طور پر اس کے تخلیقی جوہر سے تعلق رکھتی ہے۔ چناں چہ اس کے اظہار کے ہر تخلیقی و فنی دائرے میں اپنا سراغ دیتی ہے۔

آپ غلام محمد قاصؔر ہی کی مثال لے لیجیے۔ قاصؔر نے غزل کے علاوہ دوسری اصنافِ سخن میں بھی اپنی قدرتِ کلام کا اظہار کیا۔ اُنھوں نے غزل کے ساتھ نظم بھی کہی۔ اس کے علاوہ حمد، نعت، منقبت، مرثیہ اور سلام بھی لکھا۔ ان سب اصناف میں دیکھا جا سکتا ہے کہ قاصؔر کا تخلیقی جوہر کم و بیش ایک متعین سطح پر خود کو آشکارا کرتا ہے۔ اس کی فکر، شعور، ادراک، فن کارانہ حسیّت اور تخلیقی اُسلوب ہر جگہ اپنے ہونے کا پتا دیتا ہے۔ اس کا تخلیقی وفور جس صنف میں بھی راہ پاتا ہے، اس کی کیفیت اور سطح آسانی سے پہچانی جا سکتی ہے۔ ایسا نہیں کہ وہ ہر جگہ یکساں طور پر سامنے آتا ہے اور کسی بھی جگہ اس میں سرِمو کوئی فرق نظر نہیں آتا۔ یہ فطری امر ہے کہ کچھ نہ کچھ تفاوت ہو۔ وہ تو ایک ہی شاعر کی مختلف غزلوں یا نظموں میں بھی دیکھا جا سکتا ہے، لیکن اس کا تخلیقی شعور اور فن کارانہ اُسلوب اپنی ایک حد سے نیچے بہرحال نہیں آتا۔ لہٰذا اس کے ہاں تخلیقی سطح کا ایک نشان صاف طور پر ہمارے سامنے آتا اور ہر صنف میں برقرار رہتا ہے۔

غلام محمد قاصؔر کی تقدیسی شاعری میں بھی اس کی غزل اور نظم کی طرح ہمیں جدید حسیّت کارفرما نظر آتی ہے۔ جدید عہد کے انسان کی صورتِ حال، اس کے مسائل، اس کی ذہنی دنیا، اس کے عصری حقائق اور اس کے انسانی تجربات اور ان تجربات کے نتیجے میں تشکیل پانے والے جذبہ و احساس کو غلام محمد قاصؔر کی حمد، نعت، منقبت اور سلام میں یعنی اس کے ہر نوع کے شعری تجربے میں منعکس ہوتے ہوئے بہ خوبی دیکھا جا سکتا ہے۔ اس نکتے کو ایک مثال کے ذریعے واضح کرتا

ہوں۔ اہلِ نظر کا کہنا ہے کہ جدید عہد کے انسان کی زندگی کا منظر نامہ تضاد و تخالف کے رشتے میں سب سے بڑھ کر اپنا اظہار کرتا ہے۔ دیکھیے غلام محمد قاصؔر کے یہاں اپنے عہد کی اس حقیقت کا یہ پہلو حمد کے اشعار میں کس طرح اُبھرتا ہے:

خندۂ گل ہی پہ موقوف نہیں یہ خوش بو
تیرا پیغام تو اشکوں کی زبانی بھی ملے

☆

ظرفِ سائل کو بناتا ہے عطا کا معیار
کہیں صرصر تو کہیں موجِ صبا دیتا ہے
حمد کا پھول سرِ شاخِ یقیں دیکھ کے دل
وہم کے سارے پرندوں کو اُڑا دیتا ہے

اِن اشعار میں خندۂ گل اور اشکوں کی زبانی، کہیں صرصر اور کہیں موجِ صبا، شاخِ یقیں اور وہم کے پرندوں کے تضاد میں شعر کے معنی بھی سامنے آتے ہیں اور اس دور کی انسانی صورتِ حال اور اس کے ذہنی رویے بھی۔

اب دیکھیے نعت کے پیرایے میں یہی اندازِ نظر اس طرح ہمارے سامنے آتا ہے:

ظلمات میں کھو جاتے، ہم لوگ بھی سو جاتے
صد شکر ضمیروں میں بیدار مدینہ ہے

☆

غم کے ظلمات میں شاداب جزیروں کا نشاں
وہ سفینہ جو ترے حکم کی تعمیل کرے

☆

شام غمیں، سحر اُداس، کوئی نہیں ہے آس پاس
ہاں وہ رسولِ اوّلیں لایا جو آخری کتاب

درجِ بالا نعت کے اشعار میں بھی دیکھا جا سکتا ہے کہ تضاد سے اثباتی جہت سامنے آ رہی

ہے۔ یہاں اس امر پر بھی توجہ کی ضرورت ہے کہ یہ صفتِ تضاد صرف لطفِ بیاں کا ذریعہ نہیں، بلکہ اس سے کہیں بڑھ کر معنوی تشکیل کا کام بھی کر رہی ہے۔

غلام محمد قاصؔر کی شاعری میں دقیق مضامین اور فلسفیانہ خیالات نہیں ملتے۔ اس کے ہاں جذبہ نمایاں ہے۔ تاہم جب اس کی شاعری کا تفصیلی مطالعہ کیا جائے اور اس کی شاعری میں راہ پانے والے اظہار کے قرینوں اور بیان کیے گئے مضامین پر غور کیا جائے تو اندازہ ہوتا ہے کہ جذبے کی فراوانی بے شک اس کے ہاں باقی سب چیزوں سے بڑھ کر نمایاں ہے، لیکن اس کے ساتھ ساتھ شاعر کی نگاہ ہست و بود کے گہرے حقائق پر بھی بڑی خوبی سے پڑتی ہے اور وہ بھی اس کے شعری اظہار میں در آتے ہیں۔ اس کے علاوہ قاصؔر کی نعت نگاری میں ہمیں رسالت مآب (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی تعلیمات کے مختلف حوالے بھی ملتے ہیں جو اس کے شعور پر اثر انداز ہوتے ہیں، اور ان سب کے ساتھ ساتھ وہ اس کائنات کے مظاہر اور مشیّتِ الٰہی کے بارے میں بھی سوچتا ہے۔ ان کے معانی پر غور کرتا ہے۔ اسی طرح آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی زندگی کے معمولات بھی اس کے لیے گہرے افکار کا مفہوم واضح کرتے ہیں۔ یہ اشعار دیکھیے:

تیری سیرت کو ترے عہد کو سمجھا ہی نہیں
جو کسی دور کے انسان کی تذلیل کرے

☆

پتھر بندھے ہیں پیٹ پہ، سوئے ہیں خاک پر
قدموں میں کہکشائیں لیے آسماں بھی ہیں

☆

ملے اُنھی سے ہر اِک سلسلہ محبت کا
جو اپنے دشمنِ جاں کو معاف کرتے ہیں

☆

سرائے دہر میں مہمان تھے صدیوں کے سنّاٹے
تمھارا نام لے کر کارواں اُترے اذانوں کے

☆

ہر ایک تہذیب سے گزر کر جہاں کے دانش وروں نے جانا
تمام دانائیوں کا مرکز تمام حکمت کا گھر مدینہ

فکر و احساس کی اسی دنیا میں جینے اور حقائقِ حیات سے آ گہی کے اسی سفر کا عمل پھر غلام محمد قاصؔر کو اس مقام پر لاتا ہے جہاں پہنچ کر وہ حرفِ نعت کی تخلیق کے شعور سے بہرہ مند ہوتا ہے اور اس کے لیے اُصول بیان کرتے ہوئے پورے تیقن اور گہرے تخلیقی شعور کے ساتھ نہایت شائستہ اور محکم لہجے میں کہتا ہے:

دن کو دن رات کو جو رات نہیں لکھ سکتا
ایسا فن کار کبھی نعت نہیں لکھ سکتا

اِس مجموعے میں اہلِ بیتِ کرام کے لیے لکھے گئے مناقب و سلام بھی شامل ہیں۔ اِن کو پڑھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ قاصؔر نے اُن برگزیدہ شخصیات سے اپنی محبت اور عقیدت کے اظہار کا قرینہ بے شک جذبے سے مملو رکھا ہے، لیکن اِس کے ساتھ ساتھ اُن کی شخصیت، سیرت، کردار، عمل اور اُن کی تعلیمات پر بھی اُس کی پوری توجہ رہتی ہے۔ یہ قرینہ اِس امر کا غماز ہے کہ قاصؔر کا شعری مزاج اِس حقیقت کا نہ صرف ادراک رکھتا ہے، بلکہ اِس کی قدر و منزلت بھی اچھی طرح سمجھتا ہے کہ شاعر کے جذبے کا وفور ہی سب کچھ نہیں ہوتا، بلکہ بہتر سطح کے شعری اظہار کے لیے حقائق اور واقعاتی صداقت سے آ گاہی بھی از حد ضروری ہے۔ وہ جانتا ہے کہ یہ بلند مرتبہ شخصیات اپنی سیرت ہی کی بدولت مثال کے درجے میں ہیں اور اُن کی عظمت کے سارے حوالوں میں اُن کے کردار کا حسن ہی سب سے نمایاں ہے۔ اِس لیے اُن سے محبت کا اظہار دراصل اُن اُصولوں سے بھی محبت کا پہلو رکھتا ہے جن کو اُن بلند پایہ ہستیوں نے ہمیشہ اپنی متاعِ جاں گردانا:

کہیں شجاعت، کہیں سخاوت، کہیں عدالت
سبھی حوالے اسی امامت کے نام آئے

☆

جو پیاس وسعت میں بے کراں ہے سلام اُس پر
فرات جس کی طرف رواں ہے سلام اُس پر

☆

گو قلم ہوتے گئے لیکن علم ہوتے گئے
جھک نہیں سکتے تری تائید میں اُٹھے جو ہاتھ

☆

مشہدِ دل سے مالِ غنیمت لوٹنے والوں کو
زخم، دعائیں، شکر، مصلّے اور قرآن ملا

☆

خاک نے چومے زخم تو آگ نے بڑھ کے طوافِ خیام کیا
سبطِ نبیؐ کی تنہائی کو ہر عنصر نے سلام کیا

☆

غلام محمد قاصؔر کا شعری اُسلوب اپنی ایک خاص جاذبیت اور دل کشی رکھتا ہے۔ اِس میں شاعرانہ لطافت کے ساتھ گہرے ادراک کا عنصر بھی شامل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قاصؔر کی شاعری صرف ہمیں سننے سنانے کے لطف سے بہرہ مند نہیں کرتی، بلکہ سوچنے اور سمجھنے کی دعوت بھی دیتی ہے۔ اُس کی تقدیسی شاعری کا یہ مجموعہ اگرچہ مختصر ہے، لیکن اِس میں شاعر کے تخلیقی جوہر کا حسن اور فن کارانہ صلاحیت کا عمل پوری طرح نمایاں ہے۔ میرے نزدیک اِس مجموعے کی اشاعت معاصر شعری منظرنامے کے لیے تقویت کا سامان ثابت ہوگی، خصوصاً تقدیسی شاعری کے حوالے سے۔

◆◆◆

حمد کا پھول سرِ شاخِ یقیں دیکھ کے دل
وہم کے سارے پرندوں کو اڑا دیتا ہے

حمد

میں پیاسا تھا
زمیں پر اُس نے ہر سُو پانیوں کے جال پھیلائے
مرا جسمِ برہنہ دیکھ کر ذرّوں کی عریانی کو سبزے کی ردا بخشی
مرے گھر میں اندھیرا دیکھ کر اُس نے فلک پر چاند تاروں کی کئی شمعیں جلائیں
مجھے پھولوں کی چاہت تھی تو گلشن کے ہر اک کانٹے کو اپنی نکہتیں تفویض کیں
اُس نے
مری محرومیوں کو سب مناظر کی نگہبانی کا فرضِ دلنشیں بخشا
وہ میری جاگتی آنکھوں کو نادیدہ جہانوں کے کئی قصّے سناتا ہے
تھپک کر رات بھر مجھ کو سلاتا ہے
مرا دل خود کو اس کے سجدۂ بے لوث پر مجبور پاتا ہے

حمد

تیری سرکار سے صحراؤں کو پانی بھی ملے
دل کے ٹھہرے ہوئے دریا کو روانی بھی ملے

جب ترا نام لیا فکر ڈھلی لفظوں میں
پھر اسی نام سے لفظوں کو معانی بھی ملے

خندۂ گل ہی پہ موقوف نہیں یہ خوش بو
تیرا پیغام تو اشکوں کی زبانی بھی ملے

برگِ گل سے جہاں یوسف کی شباہت جھلکے
واں بلبل کو زلیخا کی جوانی بھی ملے

خود میں کھو جاتے ہیں اور غیر کے ہو جاتے ہیں
جب ملے اپنا نشاں تیری نشانی بھی ملے

۱۶ اکتوبر ۱۹۸۵ء

حمد

چاند، شبنم، شفق، آب جُو
اے خدا ! ہر طرف تُو ہی تُو

کل جو سارے رسولوں نے کی
آج وہ بات پھولوں نے کی
پھیلی خوش بو تری چار سُو

ہر جگہ بادشاہی تری
دے رہی ہے گواہی تری
پھر کے موجِ صبا کُو بہ کُو

تُو اذانوں کو تاثیر دے
جو چٹانوں کے دل چیر دے
سنگ ریزے کریں گفت گُو

۲۸ اگست ۱۹۹۲ء

آزمائش میں کوئی

آزمائش میں کوئی تجھ کو صدا دیتا ہے
اور تُو آگ کو گلزار بنا دیتا ہے

دے کے اک عکسِ نظر آنکھ کے آئینے کو
کتنے نادیدہ جہانوں کا پتا دیتا ہے

ظرفِ سائل کو بناتا ہے عطا کا معیار
کہیں صرصر تو کہیں موجِ صبا دیتا ہے

تُو ہی ہر لہر کو دیتا ہے ڈبونے کا شعور
تُو ہی کشتی کو کنارے پہ لگا دیتا ہے

یوں تو نفرت کے سمندر ہیں دلوں میں حائل
ہاں ترا نام کناروں کو ملا دیتا ہے

حمد کا پھول سرِ شاخِ یقیں دیکھ کے دل
وہم کے سارے پرندوں کو اڑا دیتا ہے

۱۴ اکتوبر ۱۹۸۲ء (پشاور)

حمد

سبزے کو نکھارے نام ترا
موسم کو سنوارے نام ترا

اِک نیلے خیمے پر ہر شب
لکھتے ہیں ستارے نام ترا

کہسار کی چوٹی ذکر کرے
اور برف پکارے نام ترا

ہر صبح چمن میں تیرتا ہے
پھولوں کے کنارے نام ترا

پانی پہ بنے اور پھر نہ مٹے
جو نقش اُبھارے نام ترا

۲۸ اگست ۱۹۹۲ء

دن کو دن رات کو جو رات نہیں لکھ سکتا
ایسا فنکار کبھی نعت نہیں لکھ سکتا

نعت

آنکھیں ہوں تو شیشے کی دیوار مدینہ ہے
اِس پار مدینہ ہے اُس پار مدینہ ہے

دیوارِ زمانہ پر صدیوں سے ہے آویزاں
فطرت کے مصّور کا شہکار مدینہ ہے

ہر دَور میں انساں نے سو شہر بسا ڈالے
دانش کے لیے اب تک معیار مدینہ ہے

الفاظ اُترتے ہیں نادیدہ جہانوں سے
خاموش زمانوں کا اظہار مدینہ ہے

ظلمات میں کھو جاتے ہم لوگ بھی سو جاتے
صد شکر ضمیروں میں بیدار مدینہ ہے

نعت

ظُلم و ظُلمت کے زمانوں پہ زوال آیا تھا
جب تری عمر کا چالیسواں سال آیا تھا

پہلے عرفاں ترے آئینۂ رُخ نے بخشا
اور پھر آخری آئینِ جمال آیا تھا

پھر مرے سینے میں آباد ہوئے ہیں کیسے؟
ان بتوں کو تو مَیں بستی سے نکال آیا تھا

دِیں، ترے گھر سے چلا ہے مہِ کامل بن کر
تیری دہلیز پہ مانندِ ہلال آیا تھا

اُس پہ قرباں مِری پروازِ تخیل کہ جسے
عرش پر فرش نشینوں کا خیال آیا تھا

ذکرِ شہکار مدینہ ہی سے شہ پارہ ہے
ورنہ ہر شعر بھٹکتا ہوا سیّارہ ہے

۱۸دسمبر۱۹۸۲ء(پشاور)

نعت

جو ہواؤں میں ترے نام کو قندیل کرے
روشنی اس کے لیے راستہ تبدیل کرے

سارے پھولوں کو، رسولوں کو ہے اَز بَر کہ وہ ذِکر
کبھی تورات کے لب پر کبھی انجیل کرے

نامکمّل نظر آتی ہے دھنک ہو کہ حیات
تیرا کردار ہر اِک رنگ کی تکمیل کرے

تیرے پیغامِ محبت سے الگ کچھ بھی نہیں
صبحِ نو کی یہ جہاں کوئی بھی تاویل کرے

غم کے ظلمات میں شاداب جزیروں کا نشاں
وہ سفینہ جو ترے حکم کی تعمیل کرے

تیری سیرت کو ترے عہد کو سمجھا ہی نہیں
جو کسی دَور کے انسان کی تذلیل کرے

دل ترستا ہے مدینے کی ہواؤں کے لیے
جیسے بارش کی دُعا تشنہ ابابیل کرے

جب بھی سوچا ہے کہ میں اُنؐ کا سراپا لکھّوں
ان لکھے لفظ پہ سایہ پرِ جبریلؑ کرے

۹ نومبر ۱۹۸۵ء (پشاور)

نعت

ظُلمتِ وادیِ جاں میں بھی اجالے سے ملے
کس قدر چاند تری یاد کے ہالے سے ملے

آہ جاتی ہے جو سینے سے مدینے کی طرف
کتنے اعزاز اسے دیس نکالے سے ملے

آسماں، حدِ نظر تک ہے فروزاں کہ اسے
دو ورق آپ کی رفعت کے رسالے سے ملے

نہ سمندر کی تہوں میں ہیں نہ دریاؤں میں
جتنے موتی کہ ترے ڈوبنے والے سے ملے

اَبدیّت پہ اگر خوفِ فنا طاری ہو
آئے اور اُنؐ کے کسی چاہنے والے سے ملے

ہاں مرے نام میں شامل مرا پیغام بھی ہے
جس کو ملنا ہو مجھے اُنؐ کے حوالے سے ملے

نعت

سائل کے سامنے شہِ کون و مکاں بھی ہیں
دامن میں دیکھتا ہوں تو دونوں جہاں بھی ہیں

میزانِ عاشقی میں برابر ہیں عرش و فرش
نقشِ قدم تمھارے یہاں بھی وہاں بھی ہیں

پتھر بندھے ہیں پیٹ پہ سوئے ہیں خاک پر
قدموں میں کہکشائیں لیے آسماں بھی ہیں

سرمایۂ چمن سہی تیرے لبوں کے پھول
انساں کی عظمتوں کے مہکتے نشاں بھی ہیں

قاصرؔ جو دل غلامِ محمدؐ نہ بن سکے
وہ مبتلائے سحرِ گماں ہیں جہاں بھی ہیں

نعت

تصور آسماں پر سامنے روضے کی جالی ہے
خیالِ مصطفےٰ کے بعد سب کچھ بے خیالی ہے

وہی کردار رنگوں میں وہی کردار خوشبو میں
کہیں خاکِ مدینہ ہے کہیں پھولوں کی ڈالی ہے

کسی بھی شہر کو دیکھوں ادھورا سا نظر آئے
کہ تصویرِ مدینہ آنکھ نے دل پر بنا لی ہے

خدا نے تو زمیں پر بھیج دی ہیں نعمتیں ساری
جو اس در تک نہیں پہنچا وہ دامن اب بھی خالی ہے

اسی سرکار سے سب کو چمکتے لفظ ملتے ہیں
جہاں مہتاب منگتا ہے جہاں سورج سوالی ہے

۱۳ اگست ۱۹۹۳ء

نعت

دلوں کو پاک ضمیروں کو صاف کرتے ہیں
ہمارے خواب، حرا کا طواف کرتے ہیں

ہمیں نسیمِ مدینہ سے شرم آتی ہے
کہ برگِ زرد ہیں اور اعتراف کرتے ہیں

ملے انھیؐ سے ہر اک سلسلہ محبت کا
جو اپنے دشمنِ جاں کو معاف کرتے ہیں

بغیر انؐ کے جو تکمیل کا کرے دعویٰ
کوئی بھی شخص ہو ہم اختلاف کرتے ہیں

وہ دل جو آپ کی میزانِ حسن تک نہ گئے
تمام فیصلے اپنے خلاف کرتے ہیں

حریمِ جاں میں جہاں مشعلِ درود جلے
اسی زمیں کا ستارے طواف کرتے ہیں

۱۶ اگست ۱۹۹۳ء

نعت

منظر جو ملے نورانی سے
نکلے ہیں تری پیشانی سے

اِک بادل آکر جوڑ گیا
ہر آگ کا رشتہ پانی سے

دیواریں گونگی بستی کی
سچ بول رہی تھیں روانی سے

تری ہجرت دھیان میں آتی ہے
خوشبو کی نقلِ مکانی سے

مشکل جو پڑے تو نام انؐ کا
یاد آئے بڑی آسانی سے

اس شہر کے نقشے پر جو بسے
وہی شہر بچے ویرانی سے

مارچ ۱۹۹۱ء

نعت

جہاں پیوندِ ظلمت بن گئے روزن مکانوں کے
وہیں کھولے گئے سارے دریچے آسمانوں کے

اِک اندھی رات تھی جو ریت پر لہریں بناتی تھی
اور اُن میں جذب ہو جاتے تھے نغمے ساربانوں کے

سرائے دہر میں مہمان تھے صدیوں کے سنّاٹے
تمھارا نام لے کر کارواں اترے اذانوں کے

تمھاری رہ گزر میں کوئی جتنی دُور جاتا ہے
اُسی نسبت سے دل پر بھید کھلتے ہیں جہانوں کے

مخالف سمت جائیں تو سفینے ٹوٹ جاتے ہیں
مدینے کی طرف رُخ پھر رہے ہیں بادبانوں کے

کتابِ زندگی رکھتے ہیں تابِ زندگی کم ہے
نئے کردار ہیں ہم لوگ اگلی داستانوں کے

نعت

مَیں خود اپنی تاریکی میں رستہ بھول گیا
تُو نے تو ان کو دیکھا تھا اے سورج تُو ہی بتا

کیسے تھے وہ ہونٹ وہ سچائی کا سرچشمہ
کیسی تھیں وہ آنکھیں جن میں کوئی غیر نہ تھا

کیسی تھیں وہ زلفیں جن پر آئتیں اُتری تھیں
اپنوں بیگانوں پر جن کا یکساں سایہ تھا

ذہن سے ذہن ملائے اُس نے دل سے جوڑے دل
کب کوئی دیوار اٹھائی کب بانٹے دریا

برف پگھلنا بھول چکی تھی ہم غفلت میں رہے
اور پھر ہوتے ہوتے آگ نے جلنا چھوڑ دیا

آنکھیں ریگستان ہوئیں مرجھانے لگے ضمیر
جن گلیوں سے روٹھ گئی طیبہ کی آب و ہوا

۱۳ اکتوبر ۱۹۸۹ء

نعت

کہتی ہے آہ تھام کر خیمۂ عرش کی طناب
اور ڈراؤنے نہ ہوں شام و سحر خیال و خواب

لگتا ہے جل رہے ہیں ہم نیند میں چل رہے ہیں ہم
سہتے ہیں گھر میں بیٹھ کر دربدری کا ہر عذاب

شام غمیں، سحر اداس کوئی نہیں ہے آس پاس
ہاں وہ رسولِؐ اوّلیں لایا جو آخری کتاب

دل کے جہاں پہ راج بھی پاؤں میں تخت و تاج بھی
جس کی متاعِ زندگی صرف مصلّٰے و کتاب

تو ہے کلیمؑ کا مثیل اور تسلسلِ خلیلؑ
گزری سروں سے موجِ نیل جلتے ہیں آگ میں گلاب

آتش و آب و باد و خاک تیری گلی میں ایک ہوں
تیرا جمال نظمِ جاں، ترا جلال انقلاب

تھامی ہے تو نے اس طرح توسنِ وقت کی لگام
گردشِ مہر و ماہ بھی رہتی ہے تیرے ہم رکاب

نعت

تاریکیِ جاں نے صدیوں تک آئینہ دل کو دھندلایا
اے صبحِ جمال کی پہلی کرن پھر تیرا عکس نظر آیا

اِک نقشِ کفِ پا سے اُبھرے سب فلسفے ساری تہذیبیں
کتنے تاریک زمانوں کو اِک جلوۂ رُخ نے چمکایا

دو شہروں سے پہلے انساں کی ہر اِک تعریف ادھوری تھی
اِک شہر جو تُو نے چھوڑ دیا اک شہر جو تُو نے اپنایا

انساں کو شعورِ ذات ملا دانش کو رنگِ ثبات ملا
تُو نامعلوم جہانوں کو معلوم زمانوں تک لایا

ہر عہد کی نشوونما کے لیے وہ مہر و محبت کا موسم
یخ بستہ دنوں میں دُھوپ بنے اور دُھوپ کی شدّت میں سایہ

۱۲ مئی ۱۹۸۶ء

نعت

دل کا اک زخم بھی کیا رنگ دکھاتا ہے مجھے
پھول دیکھوں تو مدینہ نظر آتا ہے مجھے

جب سے ہر خواب میں شامل ہوئی وہ بزمِ جمال
ماہِ کنعاں بھی ادھورا نظر آتا ہے مجھے

ڈوبنے لگتا ہوں جب بھی تو یہ دل چپکے سے
تیری یادوں کے جزیرے پہ بلاتا ہے مجھے

سبز گنبد سے اترتے ہیں دلوں پر موسم
پتّا پتّا یہی پیغام سناتا ہے مجھے

ذرّہ ذرّہ جہاں خوابوں میں گرفتار ملے
اُس شبستاں میں تِرا نام جگاتا ہے مجھے

تیرے کردار کے رستے پہ رواں ہے سورج
روشنی چاند میں بھر بھر کے پلاتا ہے مجھے

ایسی چاہت کا کوئی نام نہیں ہو سکتا
ایک جذبہ ہے کہ مجھ سے لیے جاتا ہے مجھے

گیسوؤں والے! خدارا دلِ وحشی کا علاج
''سایہ شاخِ گل افعی نظر آتا ہے مجھے''

نعت

تاروں کی روشنی ہو کہ خوشبو ہو پھول کی
دہرائی جا رہی ہیں دعائیں رسولؐ کی

چہرے سے جھانکتا ہے کئی آئتوں کا عکس
زلفوں میں ہیں گواہیاں شانِ نزول کی

جو شہر بچ گئے ہیں اُسی سلسلے کے ہیں
طیبہ سے جو چلی تھی روایت اصول کی

اک پھول بھی ملول نہ ہوتا اگر صبا
سوغات لے کے آتی مدینے سے دُھول کی

ان کی گلی میں جا کے جو دل سے اتر گئی
مولا نے میری ایسی دعا بھی قبول کی

۲۸ جنوری ۱۹۹۴ء

نعت

کیوں نہ آباد ہو ہر دل میں محبت انؐ کی
اُنؐ کی صورت سے نمایاں ہے رسالت انؐ کی

جب اندھیروں کے بیاباں میں بھٹکتا تھا خیال
چاندنی بن کے اُتر آئی تھی سیرت انؐ کی

نیند سے پہلے یہ کہتی ہیں سوالی آنکھیں
کاش اک خواب میں ہو جائے زیارت اُنؐ کی

جب دہکتا ہوا سورج ہو سوا نیزے پر
سر پہ بادل کی طرح چھائے شفاعت انؐ کی

۲۰ جنوری ۱۹۹۵ء

نعت

نظر سے کتنے جہان گزرے ٹھہر گیا ہے مگر مدینہ
گلاب پر اوس جھلملائے تو دیکھ لے چشمِ تر مدینہ

اسی دریچے سے چاند تاروں نے روشنی کی زکواۃ پائی
جہاں کے ظلمت کدے میں چمکے مثالِ نورِ سحر مدینہ

جب انؐ کو بھولے تو پتّے پتّے میں سانس لیتے تھے زرد جھونکے
نمو کے موسم میں کر رہا ہے نظر سے دل کا سفر مدینہ

کہاں ہیں ایسے نصیب میرے کہ نکہتوں کا دیار دیکھوں
میں اُن کو حسرت سے دیکھتا ہوں جو آئے ہیں دیکھ کر مدینہ

فضا کی وسعت میں کھو گئے ہیں لبوں سے حرفِ دعا بچھڑ کر
کہ آہ بھی عرش تک نہ پہنچے اگر نہ ہو رہ گزر مدینہ

ہر ایک تہذیب سے گزر کر جہاں کے دانش وروں نے جانا
تمام دانائیوں کا مرکز تمام حکمت کا گھر مدینہ

۳۱ جنوری ۱۹۹۵ء

نعت

بہاروں کا ہم اپنے سر پہ کب احسان لیتے ہیں
مدینے کی ہوا کو دُور سے پہچان لیتے ہیں

کبھی جب حد سے بڑھتی ہے تپش صحرائے عصیاں کی
تو اپنے سر پہ اک ابرِ کرم ہم تان لیتے ہیں

سنا ہے آسماں تیرے قدم چُھوتا تھا جھک جھک کر
اسے بھی خاکِ طیبہ کے برابر مان لیتے ہیں

ترے کچھ نام لیوا بچ گئے ہیں اس مصیبت سے
وگرنہ لوگ تو لوگوں کو رہبر مان لیتے ہیں

تری باتیں، تری خوشبو، تری چاہت، تری یادیں
دکانِ زندگی سے ہم یہی سامان لیتے ہیں

۲۲ نومبر ۱۹۹۶ء

نعت

تو مرکزِ زمیں ہے مدارِ یقیں ہے تُو
دل جس مقام پر نظر آئے وہیں ہے تُو

ایسا مکاں کہ جس پہ پڑے لامکاں کا عکس
جس کا فلک طواف کرے وہ زمیں ہے تُو

ہر عہد میں بدلتے ہیں معیار حُسن کے
ہر عہد جس کا عہد رہا وہ حسیں ہے تُو

تعمیر کا سفر ہے محل سے کھنڈر کی سمت
فطرت کے اس اصول میں شامل نہیں ہے تُو

جھلکے ترے وجود سے پیغمبروں کا لمس
توحید جس پہ کندہ ہوئی وہ نگیں ہے تُو

تِری حریمِ ذات مساوات کا پیام
انساں پہ لطف کی نگہِ اوّلیں ہے تُو

ظلمات کے خلاف گواہی نہ دے سکے
وہ لوگ جن کے خوف میں شامل نہیں ہے تُو

نعت

سورج سے بات کی کہ ستاروں سے بات کی
ماہِ عرب نے درد کے ماروں سے بات کی

صدیوں سے صحن صحن کی خوشبو اداس تھی
آخر مرے نبیؐ نے بہاروں سے بات کی

کہرے کا سائباں جو سفینے تک آگیا
گمنام فاختہ نے کناروں سے بات کی

اک کہکشاں تھی گردِ تمنّا کے آس پاس
نظروں نے جب حرا کے نظاروں سے بات کی

ہم لوگ چپ رہے کہ ادب کا مقام تھا
اک درد تھا کہ جس نے اشاروں سے بات کی

ان کے بغیر مل نہ سکا نسخۂ شفاء
بیمار آرزو نے ہزاروں سے بات کی

نعت

فضا میں چادرِ تطہیر تان دیتے ہیں
تری گلی میں ستارے اذان دیتے ہیں

دیارِ درد میں جینے کا حوصلہ نہ رہے
تو انؐ کے خواب دلوں کو امان دیتے ہیں

جہاں کی دھند میں طیبہ کے جگمگاتے خیال
بھٹکتی کشتیوں کو بادبان دیتے ہیں

پھر ان کے گھر میں فرشتے اترنے لگتے ہیں
وہ شہرِ علم جسے بھی مکان دیتے ہیں

سخی مدینے میں ایسے بھی ہیں کہ خانہ بدوش
زمین مانگیں تو وہ آسمان دیتے ہیں

خیالِ حُسن سے نکلیں طیورِ حُسنِ خیال
انھیں وہ سدرہ نشیں جب اڑان دیتے ہیں

قسم ہے زلفوں کی جن پر کہ آیتیں اتریں
ہم ان کی شان میں سچا بیان دیتے ہیں

نعت

دن کو دن رات کو جو رات نہیں لکھ سکتا
ایسا فنکار کبھی نعت نہیں لکھ سکتا☆

عرش سے دل پہ اترتے ہیں مدینے کے خیال
اور مَیں اپنے خیالات نہیں لکھ سکتا

کتنے انسان ملے کتنے فرشتے آئے
نام ان کے میں تِرے ساتھ نہیں لکھ سکتا

وادیِ جاں میں ہیں روشن تری چاہت کے حروف
اتنے روشن کہ مِرا ہاتھ نہیں لکھ سکتا

جس کے دل پر بھی در آیا تِرے کردار کا عکس
شُکر لکھتا ہے شکایات نہیں لکھ سکتا

۱۵ دسمبر ۱۹۹۸ء

☆ (یہ نعت غلام محمد قاصؔر کی آخری تخلیق ہے جو انھوں نے وفات سے کچھ دن پہلے پی ٹی وی کے مشاعرے میں پڑھی)

نعتیہ نظم

خون میں ڈوبی ہوئی آتش زدہ تصویر ہے
خانۂ نسبت میں نامِ مصطفیٰؐ تحریر ہے

ہر براہیمیؑ جواں بارود کے شعلوں کا پھول
اور ہر بچّے کا حصہ اپنا اپنا تیر ہے

مشہدِ صوت وصدا میں بے ردا بہنوں کے بَین
بے کفن سورج پڑے ہیں روشنی دلگیر ہے

عرش تک سارے دریچے جس پیمبرؐ پر کھلے
اس کی امّت کے لیے موجِ ہوا زنجیر ہے

ہر شبیہِ دل مدینے لے گئی موجِ نسیم
فصلِ گل میں ایک دو آہوں کی بس تاخیر ہے

ہر بشر کو غم درِ خیرالبشرؐ تک لے گیا
ہم بھی فریادی ہیں لیکن شرم دامن گیر ہے

۳۰ جولائی ۱۹۹۴ء

ہر اک زمانے میں اہلِ دنیا نے کوششیں کیں
مگر علیؑ کے غلام کب زیرِ دام آئے

منقبت

کہا بہاروں نے جب وہ پہلے امام آئے
درونِ کعبہ علی علیہ السّلام آئے

وہ چاہتے تھے خدا کے دیں پر دوام آئے
اسی میں اس کے گھرانے والے بھی کام آئے

انھی کے گھر نے لکھی ہے تطہیر کی روایت
انھی کے در پر ملائکہ کے سلام آئے

زمین پر بوتراب کی حکمرانیاں ہیں
اور آسمانوں سے ذوالفقار ان کے نام آئے

کہیں شجاعت کہیں سخاوت کہیں عدالت
سبھی حوالے اسی امامت کے نام آئے

تھے مطمئن بسترِ رسالتؐ پہ ان کے جلوے
وہ نیند کیا تھی جسے خدا کے سلام آئے

ہر اک زمانے میں اہلِ دنیا نے کوششیں کیں
مگر علیؑ کے غلام کب زیرِ دام آئے

۲۰ مارچ ۱۹۹۸ء

مہندی

آج قاسمؑ کے براتی خشک مہندی لائے ہیں
دیکھ کر دولھا کو سب آنکھوں میں آنسو آئے ہیں

کربلا میں پنج تنؑ کا سارا سرمایہ لٹا
فاطمہ زہراؑ کے گھر پر غم کے بادل چھائے ہیں

تھی وصیّت بازوئے قاسمؑ پہ جو تعویز تھا
شاہ، پر ابنِ حَسنؑ قربان ہونے آئے ہیں

فاطمہ کبریٰ دلھن بنتے ہی بیوہ ہو گئی
مادرِ قاسمؑ نے دل پر زخم کتنے کھائے ہیں

ہائے قاسمؑ ہائے قاسمؑ کی صدا، شادی کے دن
بے وطن شہزادیوں پر کیا زمانے آئے ہیں

بے نواؤں کی سلامی تھی دلھن کے واسطے
امِ فروا نے گہر اشکوں کے جو لٹوائے ہیں

دیکھ کر سہرے کی لڑیاں رو پڑی بنتِ حُسینؑ
شاہ، میّت کی جگہ گٹھڑی اٹھا کر لائے ہیں

۱۰ مئی ۱۹۹۷ء

علی اکبرؑ

سلامی حسرتِ بانو یہی کہتی تھی رو رو کر
ابھی میدان سے آیا نہیں ہم شکلِ پیغمبرؐ

اذانِ صبح دسویں کو سُنی جس دم مدینے میں
پکاری فاطمہ صغریٰؑ علی اکبرؑ علی اکبرؑ

اسی کی راہ سے سچائی کے سب راستے نکلے
خدا کی راہ میں جس نے لٹایا اپنا سارا گھر

وہ زینبؑ جس نے اٹھارہ برس پالا بھتیجے کو
نکل آئیں نہ خیمے سے غمِ اکبرؑ میں بے چادر

جوانِ ہاشمی کے ہاتھ میں جس کی لگامیں تھیں
وہ گھوڑا چلتا جاتا تھا قدم رکھتا اجالے پر

محرم۱۹۹۶ء

علی اصغرؑ

کربلا میں اے علی اصغرؑ ترا اعلانِ جنگ
حشر تک لیتا رہے گا ظلم سے تاوانِ جنگ

ریت جلتی ریت پر تھا تیرا خیمہ بے فرات
خشک ہونٹوں سے تجھے لکھنا پڑا فرمانِ جنگ

مسکراہٹ تیغ تیری بے زبانی تیری ڈھال
چھے مہینے کا مجاہد مختصر سامانِ جنگ

تیر کھایا خوں بہایا مسکرایا جان دی
باپ کے دو ہاتھ بس تیرے لیے میدانِ جنگ

تُو کہ پہلے وار ہی میں سُرخ رُو پایا گیا
رُوسیاہوں کے دلوں میں رہ گئے ارمانِ جنگ

شرمسار اپنے ہی معیارِ عداوت سے خزاں
پھول کی اِک پنکھڑی کو جان کر عنوانِ جنگ

نہ وسوسے نہ اندھیرے رگوں میں پلتے ہیں
کہ میرے دل میں بہتّر چراغ جلتے ہیں

تضاد

یزید نقشۂ جور و جفا بناتا ہے
حسینؑ اس میں خطِ کربلا بناتا ہے

یزید موسمِ عصیاں کا لاعلاج مرض
حسینؑ خاک سے خاکِ شفا بناتا ہے

یزید کاخِ کثافت کی ڈولتی بنیاد
حسینؑ حُسن کی حیرت سرا بناتا ہے

یزید تیز ہواؤں سے جوڑ توڑ میں گم
حسینؑ سر پر بہن کے رِدا بناتا ہے

یزید لکھتا ہے تاریکیوں کو خط دن بھر
حسینؑ شام سے پہلے دیا بناتا ہے

یزید آج بھی بنتے ہیں لوگ کوشش سے
حسینؑ خود نہیں بنتا خدا بناتا ہے

سلام

کچھ ایسی بات محرّم کا چاند کہتا ہے
کہ سال بھر مرا دل کربلا میں رہتا ہے

چلیں نشیب کو دریا مگر تمھارے لیے
فراتِ اشک بلندی کی سمت بہتا ہے

اک استعارۂ ہجرت ہے روشنی کی طرف
جہاں کہیں بھی پرندہ سفر میں رہتا ہے

کہ داستانِ عروج و زوال ملّت میں
وہی تو سچ ہے جو حصّہ حسینؑ کہتا ہے

محرم اگست ۱۹۸۸ء

سلام

جو پیاس وسعت میں بے کراں ہے سلام اس پر
فرات جس کی طرف رواں ہے سلام اس پر

سبھی کنارے اسی کی جانب کریں اشارے
جو کشتیِ حق کا بادباں ہے سلام اس پر

جو پھول تیغِ اصول سے ہر خزاں کو کاٹیں
وہ ایسے پھولوں کا پاسباں ہے سلام اس پر

مِری زمینوں کو اب نہیں خوفِ بے ردائی
جو ان زمینوں کا آسماں ہے سلام اس پر

ہر اِک غلامی ہے آدمیّت کی ناتمامی
جو حرّیت کا مزاج داں ہے سلام اس پر

حیات بن کر فنا کے تیروں میں ضوفشاں ہے
جو سب ضمیروں میں ضوفشاں ہے سلام اس پر

کبھی چراغِ حرم کبھی صبح کا ستارہ
وہ رات میں دن کا ترجماں ہے سلام اس پر

مَیں جلتے جسموں، نئے طلسموں میں گھِر چکا ہوں
وہ ابرِ رحمت ہے، سائباں ہے سلام اس پر

شفق میں جھلکے کہ گردنِ اہلِ حق سے چھلکے
لہو تمھارا جہاں جہاں ہے سلام اس پر

۱۶ دسمبر ۱۹۷۸ء

سلام

ظلمتوں میں روشنی کا استعارہ کربلا
میرا سورج کربلا میرا ستارہ کربلا

ریت جلتی ریت پر دو چار خیمے بے فرات
مَیں تو سمجھا شہرِ دل ہے دل پکارا کربلا

جس کے گردابوں میں اکثر ڈوب جاتے ہیں ضمیر
دل ہے اس دریا کی کشتی اور کنارہ کربلا

خون شاید دھڑکنوں کی سرحدوں پہ سو گیا
کر رہی ہے پھر اشارے پر اشارہ کربلا

میرے لمحوں پر پڑے گا کیا کسی الجھن کا عکس
دل لچکتی شاخ ہے لیکن سہارا کربلا

پھر خیالوں نے دکھائی ریزہ ریزہ تیری لاش
پھر مِری یادوں میں ابھری پارہ پارہ کربلا

اشک، مردہ اشک میرے کچھ نہیں کچھ بھی نہیں
خون، زندہ خون کا تابندہ دھارا کربلا

۲۶ نومبر ۱۹۷۹ء

سلام

پیاس کے صحرا میں جس نے کاشت کی فصلِ نجات
اس لہو کی لہر کو اب تک سلامی دے فرات

ایک لمسِ جاودانی سے حیاتِ بے ثبات
لکھ رہی ہے نام تیرا دھڑکنوں کے ساتھ ساتھ

گو قلم ہوتے گئے لیکن علم ہوتے گئے
جُھک نہیں سکتے تری تائید میں اُٹھے جو ہاتھ

وقت کی ٹوٹی طنابیں، عصر کے جلتے خیام
بے کفن کرنوں کے لاشے شام کی کالی قنات

صبح تک جلتا رہا ہر نوکِ نیزہ پر چراغ
شام ہی سے بجھ گئی تھی ظلم کی تاریک رات

ریت کے ذرّوں سے ڈھالے مہر و مہتاب و نجوم
کائناتِ کربلا پر ڈال کر اِک عکسِ ذات

سلام

نہ وسوسے نہ اندھیرے رگوں میں پلتے ہیں
کہ میرے دل میں بہتّر چراغ جلتے ہیں

پلٹ رہے ہیں پرندے گھروں کو اور بے کس
نہ لَوٹنے کے لیے شہر سے نکلتے ہیں

ہوائے زرد میں سرسبز تھے جو خیمہ و خواب
وہ خواب راکھ ہوئے ہیں خیام جلتے ہیں

ٹھہر گیا ہے وہ تسلیمِ جاں کا لمحۂ درد
جہاں میں یوں تو مناظر بہت بدلتے ہیں

کچھ اس طرح سے لُٹے تیرے کارواں والے
کہ سُوئے شام اُجالوں سے بچ کے چلتے ہیں

وہ سر، بلند نہ ہوتا جو نوکِ نیزہ پر
تو سرنگوں تھے جو اَب سر اُٹھا کے چلتے ہیں

مَیں کربلا میں ہوں مَولا رہِ حسینؑ دکھا!
کہ اس دیار سے رستے بہت نکلتے ہیں

(یکم محرم) ۲۰ اکتوبر ۱۹۸۲ء (پشاور)

سلام

وفا کا مکمّل جہاں اور وہ
بس اک مختصر کارواں اور وہ

اُدھر شام سے شب کی سرگوشیاں
اِدھر اِک سحر کی اذاں اور وہ

رہا درمیاں ایک دریائے صبر
کناروں پہ آبِ رواں اور وہ

سحر تک شریکِ تلاوت رہے
ستاروں بھرا آسماں اور وہ

ضمیرِ زمانہ میں محفوظ ہیں
لہو، جلتے خیمے، سناں اور وہ

نہیں سے نہیں تک ہر اک موڑ پر
سلامت رہے اس کی ہاں اور وہ

۱۱ جولائی ۱۹۹۱ء

سلام

پوچھتا ہے ہر سلام ایسے نمازی کا پتا
عصر کی دہلیز پر جو سجدہ سجدہ ہوگیا

سبزہ زاروں، پانیوں، سایوں سے سرمایوں سے دُور
کربلا کا راستہ ہے کربلا تا کربلا

بے کَسی میں انتظار اور جانے کیسا انتظار
آسماں کو دیکھ کر سُوئے مدینہ دیکھنا

بہہ گئے سیلاب میں سارے محلّے سب محل
اور اک خستہ سے خیمے کا دیا جلتا رہا

زندگی کے خط کو تُو نے دائرے کی شکل دی
ابتداء کی ابتداء ہے انتہا کی انتہا

محرّم اگست ۱۹۹۰ء

سلام

جُھک گیا ظلم کا سر بارِ پشیمانی سے
یوں مِلا آخری سجدہ تِری پیشانی سے

کام کیا لعل و جواہر کی فراوانی سے؟
دل کا رشتہ ہے تری بے سرو سامانی سے

ایک چہرے پہ گزشتہ بھی ہے آئندہ بھی
آئنے دیکھ رہے ہیں تجھے حیرانی سے

تُو ہی تاریخ کے اس موڑ پہ یاد آتا ہے
شہر مل جاتے ہیں جب دشت کی ویرانی سے

عکس در عکس تری پیاس کی تصویر بنے
شرم آتی ہے مجھے بہتے ہوئے پانی سے

بس تری یاد کی برسات سے فصل اگتی ہے
ورنہ بنجر سی زمیں، کھیت ہیں بارانی سے

روشنی تیرے سفینے میں سمٹ جاتی ہے
جب بھی گھبراتی ہے ظلمات کی طغیانی سے

کربلا عشق کا معیار بھی، دشوار بھی ہے
آگے جنّت ہے جو مِل جاتی ہے آسانی سے

سلام

یوں تو اک خواب تھا جو ریت پہ تحریر ہوا
پھر یہی خواب ہر اک خواب کی تعبیر ہوا

تیری چاہت میں یہ دل صاحبِ توقیر ہوا
جس قدر خاک ہوا اتنا ہی اکسیر ہوا

راکبِ دوشِ پیمبرؐ کی سواری آئی
زخم پابوس ہوئے درد عناں گیر ہوا

دلِ بے تاب میں روشن ہے مہِ صبر کا عکس
یہ ستارہ بھی اسی نام سے تسخیر ہوا

کربلا نقش ہے اب لوحِ ابد پر کہ یہ شہر
پہلے مسمار ہوا بعد میں تعمیر ہوا

چاند تاروں کا جہاں کیا کہ تری نسبت سے
خطۂ خواہش و ترغیب بھی تسخیر ہوا

سایۂ تیغ میں دشمن کو دعائیں دیں گے
جن کا معیارِ نظر اسوۂ شبیرؑ ہوا

۳۰ ستمبر ۱۹۸۴ء

سلام

خاک نے چومے زخم تو آگ نے بڑھ کے طوافِ خیام کیا
سبطِ نبیؐ کی تنہائی کو ہر عنصر نے سلام کیا

لوحِ ازل پر فیصلہ کُن تحریریں لکھنے والے نے
جبر عدو کے حصّے میں اور صبر حسینؑ کے نام کیا

آج فرشتے دیکھ رہے تھے سارے رنگ عبادت کے
اور اسے تسلیم کیا تھا حق نے جسے امام کیا

کتنی صفیں کتنے ہی نمازی ڈوب گئے گمنامی میں
اور کسی کے اک سجدے نے کعبۂ دل میں قیام کیا

لاشوں کے رخ سُوئے مدینہ، بے بسوں کے منہ سُوئے نجف
یوں عاشور کے دن سورج نے صبح کو رو رو شام کیا

سلام

سچ کے خیمے تک پہنچا جو ظلم کا پہلا تیر
آج اسی کی زد پہ فلسطیں، بوسنیا، کشمیر

ہر صحرا پر پڑنے لگا ہے اس صحرا کا عکس
تیرے لہو نے جس پہ کیا تھا شہرِ وفا تعمیر

بے گھر بھوکے پیاسے بچے، آگ اگلتی ریت
ہر تصویر کے پس منظر میں اصغرؑ کی تصویر

سارے مظلوموں کی آہیں تجھ کو ڈھونڈتی ہیں
دنیا والے چھینتے ہیں جب خوابوں سے تعبیر

ننگِ حمیّت ، ڈولتی نیّت ، کہساروں سے جسم
ایک طرف کچھ بے سروساماں ایک طرف جاگیر

خواہش اور نمائش شام سے پہلے راکھ کا ڈھیر
صبح کے تارے میں روشن اب تک نامِ شبیرؑ

۱۶ مئی ۱۹۹۳ء

سلام

کتنی دہشت شبِ سیاہ میں تھی
روشنی ایک خیمہ گاہ میں تھی

کثرتِ لشکر و سپہ میں کہاں؟
زندگی تِری بارگاہ میں تھی

درد کی آندھیوں میں زرد ہوئی
گرد جو کربلا کی راہ میں تھی

سیل میں ڈوبتے گئے ساحل
عافیت کشتیِ تباہ میں تھی

صبحِ صغریٰ وہ دھول کی چادر
شام تک اِک بجھی نگاہ میں تھی

ریت روشن ہوئی تیمّم سے
کہکشاں راہِ ذوالجناح میں تھی

۲۹ جون ۱۹۹۲ء

سلام

ظلم کے بہتے دھارے کو کیسا عنوان ملا
ریت کے تخت پہ آخری سجدہ لہولہان ملا

خالی مشکیزے کی صدائیں سہمے ہوئے طیور
بن میں اذانِ فجر سے پہلے یہ سامان ملا

مشہدِ دل سے ''مالِ غنیمت'' لوٹنے والوں کو
زخم، دعائیں، شکر، مُصلّٰے اور قرآن ملا

ڈھلتے ہوئے سایوں کے لیے تھی عصر خسارے کی
ورنہ دھول اڑاتی دُھوپ کو نخلستان ملا

جَھڑ گئیں کتنی بنجر صدیاں شاخِ زمانہ سے
انسانوں کے جنگل میں جب اک انسان ملا

خیمے خاکستر تھے ریت ہی ریت میں جذب ہوئی
اصل فرات تو وہ تھا جو آنکھوں سے آن ملا

اگست ۱۹۸۹ء

سلام

کربلا والوں سے پوچھو غم شبِ عاشور کا
حشر تک ہونا ہے اب ماتم شبِ عاشور کا

اک طرف غم بیبیوں کا اک طرف بچوں کی پیاس
پوچھیے شبیرؑ سے عالم شبِ عاشور کا

تین حصّوں میں اسے بانٹا امامِ پاکؑ نے
پھر بھی ہو پایا نہ صدمہ کم شبِ عاشور کا

آلِ اطہرؑ کی دعائیں فاطمہ صغریٰؑ کے بَین
اور تو کوئی نہیں محرم شبِ عاشور کا

ماں سے یہ عونؑ و محمدؑ رات بھر کہتے رہے
آپ کی جانب سے صدقہ ہم شبِ عاشور کا

بالیاں معصوم کی کلثومؑ و زینبؑ کی ردا
تذکرہ کرتے رہے باہم شبِ عاشور کا

دوستوں کو دی اجازت گُل کیے سارے چراغ
نور پھر بھی ہو نہ پایا کم شبِ عاشور کا

وہ حبیب ابن مظاہرؑ ہوں کہ ہوں جونؑ و زُہیرؑ
سب کے ہاتھوں میں رہا پرچم شبِ عاشور کا

بازوئے غازی، لہو اکبرؑ کا، اصغرؑ کا گلا
مِل کے سب لکھتے رہے ہیں غم شبِ عاشور کا

جو بھی ہوں حالات قاصرؔ جو بھی آئے انقلاب
ذکر ہو سکتا نہیں ہے کم شبِ عاشور کا

محرم ۱۹۹۷ء

دُعا

پتّے بنے دُعا کے لیے ہاتھ اے خدا
اُتریں چمن میں امن و مساوات اے خدا

ہر شے بدل رہی ہے تری کائنات میں
بدلیں مری زمیں کے بھی حالات اے خدا

اس گھومتے گلوب سے جنگیں لپٹ گئیں
مرجھا گئے ہیں کشف و کرامات اے خدا

شعلے پہن کے پانچواں موسم ٹھہر گیا
روٹھی ہے مون سون سے برسات اے خدا

ٹوٹے پڑے ہیں منبر و محراب ہر طرف
زخمی ہیں شہر بھر کی عبادات اے خدا

بربادیوں میں اہلِ زمیں خود کفیل ہیں
اب آسماں سے بھیج نہ آفات اے خدا

شہروں پہ اب تو پیار کی صبحوں کا عکس ڈال
ہوں ختم نفرتوں کے یہ دن رات اے خدا

۳۰ جون ۱۹۹۲ء

فریبِ نظر

سب اسلام کے نام لیوا ہیں لیکن
ہر اِک ہاتھ میں نفرتوں کی کمانیں

صفوں سے صفوں تک بڑے فاصلے ہیں
اذانوں سے ٹکرا رہی ہیں اذانیں

ہاں مرے نام میں شامل مرا پیغام بھی ہے

نام: غلام محمد قاصرؔ

پیدائش: ۴؍ستمبر ۱۹۴۱ء۔ پہاڑ پور (ڈیرہ اسماعیل خان)

وفات: ۲۰؍فروری ۱۹۹۹ء (پشاور)

تعلیم: ایم اے (اُردو)۔ ۱۹۶۸ء (یونیورسٹی آف پشاور)

ملازمت: خیبر پختونخوا کے گورنمنٹ کالجز (مردان، سپیریئر سائنس پشاور، درّہ آدم خیل، پشاور، طورو اور پبی) میں تدریس کے شعبے سے منسلک رہے۔

ادبی خدمات:

شاعری:

۱۔ تسلسل (۱۹۷۷ء) اور (۱۹۹۸ء)

۲۔ آٹھواں آسماں بھی نیلا ہے (۱۹۸۸ء)

۳۔ دریائے گُماں (۱۹۹۷ء)

۴۔ اک شعر ابھی تک رہتا ہے (کلیاتِ قاصرؔ) (۲۰۰۹ء) اور (۲۰۱۸ء)

۵۔ منتخب کلام غلام محمد قاصرؔ (مطبوعہ نیشنل بُک فاونڈیشن، اسلام آباد) (۲۰۱۶ء)

۶۔ سرِ شاخِ یقیں (حمد و نعت، سلام و منقبت) (۲۰۲۱ء)

نثر:

☆ غلام محمد قاصرؔ نے پی ٹی وی پشاور سنٹر اور ریڈیو پاکستان کے لیے متعدد ڈرامے، نغمے اور پروگرام تحریر کیے، جن میں پی ٹی وی کے لیے ڈرامہ سیریل ''تلاش'' اور بچوں کے لیے ڈرامہ سیریل ''بھوت بنگلہ'' بے حد مقبول ہوئے۔

☆ آپ نے خیبر پختونخوا ٹیکسٹ بُک بورڈ پشاور کے لیے مختلف سطح کی جماعتوں کا نصاب مرتب کیا۔

اعزازات:

۱۔ صدارتی تمغہ برائے حُسنِ کارکردگی (شاعری) حکومتِ پاکستان (۲۰۰۷ء)

۲۔ پروین شاکر عکسِ خوشبو ایوارڈ برائے بہترین شاعری (دریائے گماں)

پروین شاکر ٹرسٹ اسلام آباد (۱۹۹۸ء)

۳۔ وثیقۂ اعتراف (شاعری) ہمدرد فاؤنڈیشن کراچی (۱۹۹۴ء)

۴۔ بہترین نغمہ نگار ایوارڈ پی ٹی وی پشاور (۱۹۹۳ء)

۵۔ بولان ایوارڈ۔ بہترین ڈرامہ نگار / شاعری بولان اکیڈمی (۱۹۹۳ء)

۶۔ سردار عبدالرب نشتر ایوارڈ (گولڈ میڈل) برائے بہترین شاعری

(آٹھواں آسماں بھی نیلا ہے) اباسین آرٹس کونسل پشاور (۱۹۸۹ء)

خراجِ تحسین:

☆ اسلامیہ کالج یونیورسٹی پشاور اور شہید بے نظیر بھٹو ویمن یونیورسٹی پشاور کے نصاب میں منتخب کلام غلام محمد قاصؔر شامل کیا گیا ہے۔

☆ طورو (مردان) میں طلباء و طالبات کے لیے بورڈ آف انٹرمیڈیٹ اینڈ سیکنڈری ایجوکیشن مردان سے میٹرک تک رجسٹرڈ ''غلام محمد قاصؔر اکیڈمی'' ۲۰۰۷ء میں قائم کی گئی۔

برقی موجودگی:

☆ ویب سائٹس:

http://www.qasir.com/
https://rekhta.org/poets/ghulam-mohammad-qasir
https://www.urdupoint.com/poetry/poet/ghulam-muhammad-qasir

☆ فیس بُک فین پیجز:

https://www.facebook.com/GMqasir
https://www.facebook.com/KuliyatEQasir

☆ یوٹیوب:

Ghulam Muhammad Qasir

◆◆◆

زمین پر بوترابؑ کی حکمرانیاں ہیں
اور آسمانوں سے ذوالفقارؑ کے نام آئے

☆

کربلا میں اے علی اصغرؑ ترا اعلانِ جنگ
حشر تک لیتا رہے گا ظلم سے تاوانِ جنگ

☆

سلامی حسرتِ بانو یہی کہتی تھی رو رو کر
ابھی میدان سے آیا نہیں ہم شکلِ پیغمبرؐ

یزید آج بھی بنتے ہیں لوگ کوشش سے
حسینؑ خود نہیں بنتا خدا بناتا ہے

☆

کربلا نقش ہے اب لوحِ ابد پر کہ یہ شہر
پہلے مسمار ہُوا بعد میں تعمیر ہُوا

☆

کچھ ایسی بات محرّم کا چاند کہتا ہے
کہ سال بھر مرا دل کربلا میں رہتا ہے

قاصرؔ کی حمدیں، نعتیں، سلام اور مناقب بھی اُن کی غزلوں کی طرح جذبے اور احساس کی شدت اور وفور سے مالا مال ہیں۔ اخلاص اور شیفتگی اُن کے لفظ لفظ میں جلوہ ریز نظر آتی ہے۔ محمدؐ و آلِ محمدؐ کی محبت اور عقیدت دل و دماغ کی پوری سپردگی کے ساتھ ہو تو پڑھنے والا اُن نورانی جہانوں میں کھو جاتا ہے جو صرف اور صرف اللہ، مصطفیٰ اور مرتضیٰ اور مجتبیٰ بندوں کی خصوصی توجہ کے بغیر ممکن نہیں ہے۔

افتخار عارف

☆.....☆.....☆

"سرِ شاخِ یقیں" کا مطالعہ دقیق علمی نقطوں کو جاننے والے افراد کے ساتھ ساتھ عام قاری کو بھی ایک نئے جہان میں لے جانے کا پورا اہتمام رکھتا ہے۔ جہاں افکار و نظریات کی مجسم عشقی صورتیں نمایاں نظر آئیں گی اور یہ صورتیں تاریخی بھی ہیں اساطیری بھی اور مودّت کے جذبوں سے لبریز بھی۔

منظر نقوی

☆.....☆.....☆

جدید عہد کے انسان کی صورتِ حال، اس کے مسائل، اس کی ذہنی دنیا، اس کے عصری حقائق اور اس کے انسانی تجربات اور ان تجربات کے نتیجے میں تشکیل پانے والے جذبہ و احساس کو غلام محمد قاصرؔ کی حمد، نعت، منقبت اور سلام میں یعنی اس کے ہر نوع کے شعری تجربے میں منعکس ہوتے ہوئے بہ خوبی دیکھا جا سکتا ہے۔

صبیح رحمانی

☆.....☆.....☆

Rs:500/-

0336-2085325
pasbanehamdonaat@gmail.com
www.facebook.com/pasbanehamdonaat

9 789697 450343